خصوصی شمارہ
بیاد سید منصور عاشق

رابطہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

Worship Allah, and do not associate with him anything and be good to parents and to kinsmen and orphans and the needy and the close neighbor and the distant neighbor and the companion at your side and the way farer and to those (slaves who are) owned by you. Surely, Allah not like those who are arrogant, proud.

(Al-Nisa#36)

IDARA-E-AKHWAN-US-SADAT GULAOTHI (REGD.)

Maintaining a close and cordial relationship between all members providing help and support for the members socially and economically.

Office: 15-G, First Floor, 43rd Street, Block-6, P.E.C.H.S. Karachi.

021-34521141-42-43
0335-3155777

akhwan.gulaoti@gmail.com

https://www.facebook.com/share/xZAwDfNZ9ezosttg/?mibextid=A7sQZp

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وہی جو دُکھ بھرے موسم کی ویرانی میں سینوں پر دھنک لمحوں کی خوشبو سے مہکتا ہاتھ رکھتا ہے دلوں کو جوڑتا ہے اور پھر اُن میں محبت نام کی سوغات رکھتا ہے، سفر میں راستے گم ہوں، ردائے گمرہی کتنی ہی میلی ہو، غموں کی دھوپ پھیلی ہو۔۔۔ اُسے کوئی کہیں جس وقت اور جس حال میں آواز دیتا ہے، وہ سنتا ہے، بہت ہی مہرباں ہے رحم کرتا ہے، وہی سچ ہے، ہمیں سچ بولنے کا حکم دیتا ہے، سو اُس کو یاد کرتے ہیں اُسی کے نام سے آغاز کرتے ہیں

سلیم کوثر

ادارتی بورڈ

سید وسیم ہاشمی

صدر

پروفیسر سید شاہد کمال

مدیر

مجلس مشاورت

سید معروف حسن واسطی

ڈاکٹر ثمینہ واسطی

سید فرخ غنی

سید خرم نظام

اداریہ

محترم اراکین ادارہ

السلام علیکم!

سہ ماہی "رابطہ" کا منصور عاقل نمبر پیش ہے۔ یہ خصوصی شمارہ ہمارے ممدوح کے لیے دستاویزی خراج عقیدت ہے۔ جو منصور عاقل صاحب کی ادبی تحقیقی، سماجی اور پیشہ ورانہ خدمات کے اعتراف سے مزین ہے۔ اس پرچے کے پس ورق پر منصور عاقل صاحب کی مطبوعہ کتب کا عکس شائع کیا گیا ہے جب کہ دیگر مشمولات میں شخصی تفصیلات، اکابرین کی یادگاری تحریریں اور اہل گلاوٹھی کے پیغامات شامل کیے گئے ہیں۔ منصور عاقل صاحب کی بھرپور زندگی کا احاطہ یوں تو ان چند صفحات میں ممکن نہیں لیکن ہماری مقدور بھر کوشش کسی حد تک تو مرحوم کی کاوش پیہم کے لیے عقیدت کا ہدیہ ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ وہی قافلہ اپنی منزل پر پہنچتا ہے جو اپنے راہرو کے نقش قدم کو اپنے لیے ذریعہ ہدایت سمجھتا ہے۔ ہم اس موقع پر خود کو مرحوم کے لواحقین کے دکھ میں شریک سمجھتے ہیں۔ ادارہ اس سلسلے میں ان تمام حضرات کا شکر گزار ہے جو اس ارادے کی تکمیل میں دامے درمے سخنے معاون ثابت ہوئے۔

"ہوا سے کتنے برس نامہ و پیام کے بعد
درخت اک اور گرا کیسے اہتمام کے بعد
تمام پیڑوں کو گرنا ہے ایک اک کر کے
کسی کو شام سے پہلے کسی کو شام کے بعد"

سید وسیم ہاشمی

آغاز کلام

"خاکِ وطن کا مجھ کو ہر ذرّہ دیوتا ہے"

'وطن اور اہل وطن' بظاہر یہ الفاظ معمولاتِ زندگی میں زبان زدِ خاص و عام رہتے ہیں اور اپنے معنی کے اعتبار سے بھی نہ مشکل ہیں نہ وضاحت طلب، لیکن یہ اُن لفظوں کی طرح ہیں جو ماورائے معانی بھی جذبات واحساسات کی بیکراں وسعتوں کے حامل ہیں یہی وجہ ہے کہ وطن کے حوالے سے محبت اور اہل وطن کی نسبت اخوت ہر انسان کی جبلت یا فطرت کا نشانِ امتیاز بن جاتے ہیں۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو اس مٹی سے اپنے تعلق کو کبھی فراموش نہیں کرتے جس نے انھیں جنم دیا اور جس کا قرض اتار نا وہ اپنے لیے باعث سعادت سمجھتے ہیں۔

در حقیقت "تذکرہ سادات گلاؤ ٹھی" کتاب کا مطالعہ ہی میرے لیے درج بالا سطور تحریر کرنے کا محرک بنا اور کتاب کے مرتّبین کے لیے دل سے دعائیں نکلیں کہ گلاؤ ٹھی کی مٹی کا قرض مجھ پر بھی ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ زیر نظر دستاویز کی مجلسِ ادارت کے اراکین عزیزانِ گرامی سید رضی الدین ہاشمی، نسیم الدین ہاشمی اور ندیم ماہر کی یہ قلمی کاوش وطن کے لیے اور بالخصوص اُن اہلِ وطن کے لیے جنھوں نے زندگی کے مختلف شعبوں میں اپنی دانش و حکمت، علم و تدبّر اور ذہانت و ذکاوت سے وطن کا نام روشن کیا اُن کے اخلاص کی مظہر ہے۔ یہ کام مشکل بھی ہے اور صبر آزما بھی۔ بہر حال ماضی و حال کی شخصیات پر جن ذرائع سے معلومات فراہم کی گئی ہیں وہ معتبر بھی ہیں اور مستند بھی۔ حضرت مولانا سید محمد اصلح الحسینیؒ ایک نابغہ روزگار عالم دین، محقق اور شعر وادب پر ناقدانہ بصیرت رکھنے والے گلاؤ ٹھی کے عظیم فرزند تھے۔ مجلس ادارت نے ان کے جو مضامین شامل کیے وہ گلاؤ ٹھی کی تاریخ کا گنجینۂ معارف کہے جا سکتے ہیں، ان میں گلاؤ ٹھی سے تعلق رکھنے والی ہستیوں میں اردو اور فارسی ادب کے نامور شاعر سید محمد حسین یقین، منفرد فکر و اسلوب کے شاعر شمس الحق خیال اور انوار الحق کمالی کے علاوہ سید ابوالحسن ناطق گلاؤ ٹھوی بھی شامل ہیں جو برصغیر کے شعر وادب کی کہکشاں پر نصف صدی سے زیادہ مدت تک ایک کوکب درخشاں کی صورت جلوہ بار رہے۔ شعر وادب کے علاوہ سیاست و صحافت بھی آپ کی جولانگاہ بنے اور آپ کو ہندوستان کی مرکزی قانون ساز اسمبلی کا رکن رہنے کا اعزاز بھی حاصل ہوا۔ دیگر کے علاوہ ایک اور نام سید ظفر الدین احمد کا ہے جو ایک ماہر تعلیم، اسکالر اور سادات گلاؤ ٹھی کے شجرہ ہائے نسب کے محقق کی حیثیت سے ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔ زیرِ نظر کتاب میں ان کا مقالہ "بعنوان 'حسب نسب اسلام کی روشنی' میں خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ محترم حاجی تہور علی

صاحب کی ایک نہایت تحقیقی کاوش 'اُلدن۔ایک صدی قبل 'میرے لیے نہایت جاذبِ توجہ ثابت ہوئی کہ اُلدن جو میرٹھ ضلع کا ایک قصبہ بھی نہیں بلکہ ایک گاؤں تھا اس کی مٹی نے آسی اُلدنی جیسی عظیم علمی شخصیت کو جنم دیا جنہیں آج تک علمی حلقوں میں غالب پر ایک معتبر و مستند شارح سمجھا جاتا ہے۔ میں رضی الدین ہاشمی کی اس رائے سے متفق ہوں کہ سادات گلاؤٹھی کے ساتھ ہاپوڑ، اُلدن، دھولانہ اور سینٹھ کے سادات کا ذکر کرنا ناگزیر ہے کیونکہ ان مقامات کے درمیان رشتہ داریاں اور قرابتیں اس کثرت تھیں کہ انہیں نظرانداز کرنا ممکن نہیں۔ بہرکیف میں اس فہرست میں قصبہ ڈاسنہ کا بھی اضافہ کرنا چاہوں گا۔

مرتّبین کے قائم کردہ جس اختصاص نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ وطن اور اہلِ وطن کی فلاح و بہبود کے جذبہ سے سرشار مرکوزِ توجہ ایسی ہستیاں تھیں جن کی خدمات سے کوئی بھی مورّخ صرفِ نظر نہیں کر سکتا۔ منشی مہربان علیؒ اور حافظ شفیع الدینؒ کے نام کتاب کا انتساب اس حقیقت کا جواز فراہم کرتا ہے۔ رکن مجلسِ ادارت سید نسیم الدین ہاشمی نے کتاب میں منشی سید مہربان علی کا وصیت نامہ شامل کر کے جو ایک مخطوطہ ہے کتاب کی افادیت و اہمیت کو دوچند کر دیا ہے اور وطن کے اکابر و زعماء کے احوال و کوائف کو سند اعتبار عطا کر دی ہے جن میں پروفیسر ڈاکٹر سید نفیس احمد جیسی شخصیت بھی شامل ہیں جنہیں گلاؤٹھی کے ایک فرزند اور عالمی شہرت یافتہ جغرافیہ واں کی حیثیت سے تقسیم ملک سے قبل باؤنڈری کمیشن کا رکن نامزد کیا گیا۔ قیام پاکستان کے بعد بھی آپ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ ڈھاکہ یونیورسٹی میں شعبۂ جغرافیہ کے چیرمین اور ڈین آف فیکلٹی کے منصب پر فائز رہے۔ قائدِ اعظم یونیورسٹی اسلام آباد میں بھی ارتھ سائنسز ڈیپارٹمنٹ کے چیرمین رہے۔ آپ کو حکومت پاکستان کی جانب سے "تمغۂ امتیاز" عطا کیا گیا۔

اختتام سے قبل میں سید رضی اللہ الدین ہاشمی کو اُن کے مضمون " پاکستان بننے کے بعد گلاؤٹھی اور اس کے مکین " پر ہدیہ تہنیت پیش کرنا چاہتا ہوں جس میں انھوں نے گلاؤٹھی کے مضافات، کوچہ و بازار اور ماضی و حال کی ایسی خوبصورت لیکن حقیقت پسندانہ مصوّری کی ہے جس نے میرے بچپن کی یادوں کو تازہ کر کے مجھے آبدیدہ کر دیا۔ مجھے یقین ہے کہ یہ مضمون پڑھ کر ہر وہ شخص جس کی بچپن کی یادیں گلاؤٹھی سے وابستہ ہیں متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

میں وطن کی محبت اور یاروں سے سرشار اراکین مجلس ادارت کو یہ تاریخی دستاویز مرتب کرنے پر خراج تحسین پیش کرتا ہوں اور ان تمام خواتین و حضرات کے لیے دعاگو ہوں جنھوں نے اس کارِ خیر میں معاونت فرمائی۔

سید منصور عاقل

اسلام آباد، مورخہ ۲۲ ستمبر ۲۰۱۵

سید عبدالوحید فدآ گلاؤٹھوی

(مکتب داغ کے ایک قادر الکلام شاعر)

سید منصور عاقل

اردو شاعری کا دامن بے حد وسیع ہے۔ دنیا کے کسی بھی زبان وادب کے مشاہیر سے ہم اپنے شعراء کا مقابلہ وموازنہ نہایت سرخروئی سے کر سکتے ہیں۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ خود اردو زبان اپنی وسعت کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہے۔ اردو کے لسانی ارتقاء کی کہانی صرف ایک زبان کی داستان نہیں بلکہ اس میں ہندی و سنسکرت، فارسی و عربی اور ترکی و نیز بعض یورپی زبانوں کی نشوونما کے قصے بھی ملتے ہیں۔ اردو شاعری کا کلاسیکی دور خاص طور پر شخصیتوں اور افکار کی بوقلمونی کے باعث ایک نہایت ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ کلاسیکی شعر وادب کا سرمایہ معروف شخصیات اور ان کی نگارشات ہی کے حوالے سے اس قدر نمایاں ہے کہ ہم اس پر جس قدر بھی فخر کریں کم ہے۔ کاش ہمارے سرمایہ افتخار میں ان بزرگوں کی قلمی کاوشیں بھی شامل ہوتیں جن کے چہرے سے تاریخ پردہ اُٹھانے سے قاصر رہی ہے۔ ایسی ہی ہستیوں میں، میں اپنے نانا جناب سید عبدالوحید فدآ کو شمار کروں گا جنہیں آج ادبی تاریخ کے تسلسل کے حوالہ سے شبستان شاعری کا چراغ تہہ داماں قرار دیا جاسکتا ہے۔

میں نے ہوش سنبھالا تو فدآ صاحب کی شاعرانہ عظمتوں کا غلغلہ سنا۔ انہیں دیکھا تو صرف اس قدر کہ وہ آخری عمر میں صاحبِ فراش تھے اور فالج کے مرض میں مبتلا ہونے کے سبب چلنے پھرنے سے معذور۔ مجھے یاد ہے کہ گلاؤٹھی میں دور دور سے ان کے شاگردان کی خدمت میں حاضر ہوتے جن میں غیر مسلم شعراء ہی شامل ہوتے اور مسلمان بھی۔ یہ لوگ اپنے استاد کا جس قدر احترام کرتے تھے ہم اس دور میں اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اس ارادت وعقیدت کا اظہار ان کے شاگرد موہن لعل شفق جو قصبہ ہاپوڑ کے ایک متمول شخص تھے اور لاڈلی لعل لائق جو اٹاوہ کے مشہور وکیل تھے خاص طور پر کرتے۔ گلاؤٹھی میں متعدد حضرات ایسے تھے جو باقاعدگی سے فدآ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے۔ ان میں محمد اسحق واصف بھی تھے جنہیں فدآ صاحب اکثر اپنا تازہ کلام املا کراتے۔ شعر وشاعری میں شغف رکھنے والے لوگوں میں کم ہی ایسے لوگ تھے جو فدآ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے اور مختلف بحور وقوافی میں غزلیں املا کرا کے نہ لے جاتے ہوں۔ شاگردوں کے کلام پر اصلاح کا سلسلہ تو گویا ایک ادنٰی بات تھی۔ استاد شاگرد کے درمیان فکری وشعری روابط کا یہ انداز کلاسیکی دور کی نمایاں خصوصیت ہے جس کے لیے مصحفی وانشاء خاص شہرت رکھتے

ہیں۔ خود داغ دہلوی کی قادر الکلامی اور شعر بخشی کا بھی یہی حال تھا جو ان کے خاص تلامذہ میں جس میں فدؔا صاحب بھی شامل تھے اور ورثہ کی صورت میں منتقل ہوا۔ بہر حال فدؔا صاحب کی قادر الکلامی اور پُر گوئی کی داستانیں بھی ان کے عہد میں عام تھیں۔ ان کے کلام کا جو کچھ بھی حصہ ہمیں میسر آ سکا ہے وہ موجودہ حالات میں ان کی یاد کو تازہ رکھنے اور ان کی شاعرانہ عظمتوں کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے غنمیت ہے۔

میرے بڑے بھائی مرحوم علامہ سید قابل گلاؤٹھوی شاعری میں فدؔا صاحب کے شاگرد تھے اور جانشین بھی۔ ان کے بارے میں فدؔا صاحب نے ایک جگہ کہا:

قابل مربی کھلتی ہوئی کلیوں کا تبسم

شاداب اسی پھول سے گلزار فدا ہے

چنانچہ میں نے قابلؔ صاحب سے فدؔا صاحب کے اشعار اکثر سنے اور اپنی والدہ مرحومہ سے بھی جو خود ایک اچھا ادبی مذاق رکھتی تھیں اور کبھی کبھی شعر بھی کہتی تھیں، لہذا فدؔا صاحب کی شعر گوئی سے متعلق ابتداً میری معلومات اس سے زیادہ نہ تھیں۔ ۱۹۵۶ء میں جب میں گورنمنٹ کالج میانوالی میں سیاسیات کا لیکچرر تھا تو کالج کی لائبریری میں ایک کتاب بعنوان "ترکش" میری نظر سے گزری۔ یہ کتاب احسان دانشؔ مرحوم کی مرتب کردہ تھی جو مختلف شعراء کے منتخب اشعار پر مشتمل تھی۔ یہ دیکھ کر میری حیرت اور خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی کہ اس کتاب میں میرے نانا فدؔا صاحب کا انتخاب کلام بھی موجود تھا۔ یہی نہیں بلکہ گلاوٹھی کے دیگر شعراء کے کلام سے بھی انتخاب کیا گیا تھا۔ جس میں مشتاق علی مضطرؔ مرحوم اور سید امیر حسن امیرؔ گلاوٹھوی شامل تھے۔ ترکش میں فدؔا صاحب کے جو اشعار دیے گئے تھے ان میں سے مندرجہ ذیل دو شعر مجھے ہمیشہ یاد رہے:

ہوا ہے کون سر گرم تبسم		کہ پھولوں کو پسینہ آ رہا ہے
مری چھوٹی ہوئی نبضوں سے پوچھو		کہ ان کے ہاتھ سے کیا جا رہا ہے

چنانچہ یہیں سے میری آتش شوق میں اضافہ ہوا اور مجھے آخر کار کراچی کے دوران قیام فدؔا صاحب کا کچھ کلام حاصل کرنے میں کامیابی نصیب ہوئی۔ ان کے کلام پر مشتمل ایک رجسٹر مجھے اپنے ماموں زاد بھائی اور فدؔا صاحب کے پوتے سید مشیر حسن واسطی سے ملا جس کے لیے میں ان کا بے حد ممنون ہوں۔ اس میں فدؔا صاحب کا بیشتر اردو کلام اور کچھ فارسی کلام غالباً ان کے اپنے خط میں مندرج ہے، جیسا کہ اساتذہ قدیم کا طریقہ تھا ان کی اِس بیاض میں حروف تہجی کا اہتمام نظر آتا ہے۔ چنانچہ صفحہ اول پر ردیف "الف" کے تحت جو حمد باری تعالیٰ درج ہے اس کا مطلع ہے:

رخ آئینہ حیرت طلسم کن فکاں تیرا

بہار باغ قدرت رقص مرغ خوا تیرا

اس کے علاوہ فداؔ صاحب کی ایک اور بیاض ان کے حقیقی بھتیجے مرحوم سید خورشید حسن واسطی صاحب سے مجھے ملی جو میری والدہ مرحومہ کے علم زاد ہونے کی نسبت سے میرے ماموں تھے۔ دوسری اور پہلی بیاض میں اکثر غزلیں اور نظمیں مشترک ہیں تاہم دوسری بیاض ان کے اضافی کلام پر مشتمل ہے۔ان دونوں بیاضوں سے انتخاب کرنا تنہا میرے لیے ممکن نہ تھا چنانچہ میرے کراچی ہی کے دوران قیام میرے ماموں زاد بھائی سید محبوب حسن واسطی نے میری مدد کی جو ماشاء اللہ ایک عالم دین، محقق، نقاد اور ادیب ہیں۔ ہم دونوں نے مختلف نشستوں میں ان بیاضوں سے کچھ کلام انتخاب کیا جس سے چند اشعار درج ذیل کیے جاتے ہیں:

بخش دے حشر سے پہلے اسے اے داور حشر		اپنے قاتل کا نہ دیکھوں میں پشیماں ہونا
اپنے ہوتے ہیں پرائے شب تنہائی میں		یاد ہے شام سے سائے کا گریزاں ہونا
بے پروں اڑتا ہے ہر ذرہ بیابانوں کا		ہے جلوس آج ہوا پر تیرے دیوانوں کا
تو ہی کہہ دے تجھے پیماں شکستہ کی قسم		کس کو میرا سا یقین ہے ترے پیمانوں کا
بڑھ کے آئینہ دکھایا جو وفاؤں نے مری		منہ ذرا سا نکل آیا ترے احسانوں کا
آبلوں میں بھی نہ کچھ سوز دروں نے چھوڑا		گھر کا گھر پھونک دیا سوختہ سامانوں کا

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا کہ میری معلومات جناب فداؔ اور ان کے کلام کے بارے میں آخر تقریباً صفر کے برابر تھیں۔ میری سب سے زیادہ کوشش یہ تھی کہ میں ان کے عہد کا ٹھیک ٹھیک تعین کر سکوں اور مجھے اپنے بڑے بھائی علامہ قابل گلاوٹھوی کے کاغذوں میں فداؔ صاحب کی تاریخ وفات مل گئی جو یکم مئی ۱۹۴۳ء ہے۔اس تاریخ کے درست ہونے میں مجھے قطعی شبہ نہیں اور اسی تاریخ کی وساطت سے ان کے سن ولادت کا تعین بھی اس طرح کیا جا سکتا ہے کہ مصدقہ روایات کے مطابق فداؔ صاحب نے اسّی برس کی عمر پائی تھی۔اس طرح ان کا سال ولادت تقریبا ۱۸۶۳ء قرار پاتا ہے۔

فداؔ صاحب کا زیادہ تر وقت بہ سلسلہ ملازمت مین پوری میں گزرا جو یوپی کے مشہور اضلاع میں سے ہے۔آپ کم و بیش ۳۵-۴۰ سال مین پوری میں رہے اور بڑی بھرپور زندگی گزاری۔آئے دن شعر و ادب کی محفلوں کے ہنگامے رہتے جس میں اس عہد کے مشاہیر شرکت کرتے تھے۔ان میں جگرؔ مراد آبادی، مرزا واجد حسین، یاس یگانہ ،شوکت علی خان ،فانی بدایونی جو اٹاوہ میں وکالت کرتے تھے ٹونک کے صاحبزادہ عبدالرحمن فرح آباد کے شاعر و صوفی حفیظ الرحمن مدیر ہفت روزہ "مجیب" مدرسہ فیض الاسلام فرح

آباد کے بانی ومتہم مولانا غلام مصطفی بھوپال کے مشہور شاعر احسن مارہروی، اصغر گونڈوی، سیماب اکبر آبادی اور مضطر گلاٹھوی شامل تھے۔ فدا صاحب کے دور میں مین پوری کل ہند سطح کے مشاعروں کا مرکز بن گیا تھا اور ان کی شخصیت ان تمام سرگرمیوں کا محور۔

۱۹۳۲ء میں ان کی زیر سرپرستی میں ایک ہفت روزہ "تسخیر" جاری کیا گیا جو ان کے شاگرد قابل گلاوٹھوی کی ادارت میں نکلتا رہا اور بعد میں کچھ عرصہ گلاؤٹھی سے بھی شائع ہوا۔

فدا صاحب نے تقریباً نصف صدی تک برصغیر کی اہم شعری نشستوں اور بڑے بڑے مشاعروں میں شرکت کی جن میں ان کے شاعرانہ مقام و مرتبہ کو ہمیشہ تسلیم کیا گیا۔ دہلی میں پنڈت امر ناتھ ساحر کے یہاں جو محلّہ بازار سیتارام میں رہتے تھے، اکثر مشاعرے ہوتے تھے جن میں فدا صاحب نے اپنے معاصرین کے ساتھ شرکت کی۔ گلاؤٹھی کے حوالے سے ایک بزرگ سید صفی اللہ کا نام اکثر دیکھنے میں آتا ہے جن کے یہاں شعری نشستیں منعقد ہوتی تھیں اور فدا صاحب ان میں پورے ذوق وشوق سے شرکت کرتے تھے۔ علی گڑھ کے جوبلی مشاعروں میں فدا صاحب نے اکثر شرکت کی اور معرکۃ الآراء غزلیں پڑھیں۔ اس کے علاوہ علی گڑھ اور مین پوری کی سالانہ نمائشوں میں جو مشاعرے ہوتے تھے ان میں بھی فدا صاحب شرکت کیا کرتے تھے۔

۳۰ دسمبر ۱۹۲۲ء کو دہلی میں پنڈت امر ناتھ ساحر کی قیام گاہ پر جو طرحی مشاعرہ ہوا اس میں پڑھی جانے والی فدا صاحب کی غزل کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

شانہ ان کی زلف کا عقدہ کشا ہوجائے گا		اس خوشی میں آج ایک قیدی رہا ہوجائے گا
کیوں نہیں ہٹتی ہے آخر چشم دشمن سے نظر		آنکھوں ہی آنکھوں میں کیا وعدہ وفا ہوجائے گا
کیا یہ سب دنیا کی دنیا آپ پر مٹ جائے گی		کیا زمانے کا زمانہ مبتلا ہوجائے گا

سیماب اکبر آبادی جو آگرہ سے رسالہ "شاعر" نکالتے تھے۔ ۱۹۳۷ء میں داغ کے "نورتن نمبر" زیر عنوان "شاعر" کا ایک خصوصی نمبر شائع کیا جس میں فدا صاحب کو شامل کیا گیا تھا اور ان کے انتخاب کلام کے ساتھ ساتھ ان کے فکر و فن پر ایک مبسوط مقالہ بھی شائع کیا گیا تھا۔ قابل صاحب نے بھی ان کی مختصر سوانح "حیات جاوید" کے نام سے دہلی میں شائع کی تھی اور دہلی کے ایک روزنامہ وطن کے سالنامہ ۱۹۳۷ء میں جس کے وہ ایڈیٹر تھے، فدا صاحب کی شخصیت اور شاعری کے بارے میں ایک مقالہ شائع کیا تھا مگر ان دستاویزات میں سے کسی تک میری رسائی نہ ہو سکی۔

ریاض خیر آبادی مرحوم فدا صاحب کے ممتاز ہم عصروں میں سے تھے۔ وہ امیر مینائی کے شاگرد تھے جبکہ فدا صاحب کو داغ دہلوی کے شاگردوں میں ایک خاص مقام و مرتبہ حاصل تھا جیسا کہ داغ اور امیر مینائی کے درمیان ہمیشہ شاعرانہ چشمک رہی اسی

طرح ان دونوں عظیم شعراء کے تلامذہ کے متوازی گروہوں میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ ریاض خیر آبادی مرحوم نے "فریاد" کی ردیف میں ایک غزل داغ کے شاگردوں کی نسبت ایک چیلنج کے طور پر کہی اور فدا صاحب نے اس چیلنج کا بھرپور جواب دیا جس سے ان کی قادر الکلامی اور عظیم فکری صلاحیتوں کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

فدا صاحب کے کلام میں غزل اگرچہ ان کا خاص میدان تھا اور اس میدان میں ان کی طبع رسا نے بڑے بڑے جوہر دکھائے لیکن دوسری اصناف سخن مثلاً رباعی، قصیدہ، مثنوی، حمد، نعت، سلام اور منقبت وغیرہ میں بھی ان کی استاذی مسلم ہے۔ چنانچہ ان کی غزلیات کے ساتھ ساتھ وہ نظمیں جو انھوں نے مخمس یا مسدس کی شکل میں کہی ہیں اپنی روانی، اثر آفرینی اور زبان و کلام کے محاسن کے اعتبار سے اردو شاعری کا قیمتی سرمایہ قرار دی جاسکتی ہیں۔ (مقالہ نگار کی مولفہ کتاب "برگ ہنر" سے ایک اقتباس)

سید مظفر ضیاء - میرا یار

سید منصور عاقل

دوست تو بہت ہوتے مگر یار بہت کم، سو وہ بھی پہلے پہل میرا دوست بنا اور پھر یار اور وہ بھی ایسا کہ پچاس برس سے بھی زیادہ یاری رہی، پھر وہ ایک روز مجھے ہی نہیں بلکہ سب کو چھوڑ کر چلا گیا، بیوی بچے عزیز رشتہ دار اور دوست آج تک منتظر ہیں مگر وہ اب کبھی نہیں آئے گا۔

منصور و مظفر کی دوستی دیکھنے اور جاننے والوں کو مثالی نظر آتی تھی ہم سچ مچ ہم نوالہ و ہم پیالہ تھے۔ دوست احباب آتے تو میزبانی بھی اس طرح ہوتی کہ چائے اگر مظفر بناتا تو میں برتن دھوتا۔ کالج جانے سے پہلے اور بعد ہر لمحہ رفاقت میں گزرتا۔ شہر کی ادبی محفلوں میں شرکت کرتے جن میں حلقہ ارباب علم سے لے کر مضافات اور گلی کوچوں اور ہوٹلوں تک میں ہونے والی محفلیں شامل تھیں لیکن مظفر ابھی تک مظفر ہی تھا اور وہ مظفر ضیاء نہیں بنا تھا، افسانے لکھنے کا شوق تھا اور ہم نے ایک ادبی تنظیم جو "انجمن تنقید ادب" کے نام سے قائم کی تھی، مظفر اس کی روداد بحیثیت سکریٹری بڑے خوبصورت افسانوی انداز میں لکھتا لیکن ایک دن اچانک کھلا کہ افسانہ نگار مظفر عالم، شاعر مظفر ضیاء بن گیا کہ اسی روز ایک مقامی اخبار روزنامہ "مغربی پاکستان" میں اس کی ایک مختصر بحر والی ہلکی پھلکی غزل چھپی تھی اور پھر یوں ہوا کہ ۸ نومبر ۲۰۰۰ء کو مظفر ضیاء جب اس دنیا سے رخصت ہوا تو وہ پانچ شعری مجموعوں کا خالق اور ایک ممتاز و معتبر شاعر تھا۔ اس کی موت کی خبر ملک کے بڑے بڑے اخبارات میں چھپی تھی کراچی جو اس کی آخری آرام گاہ بنا سوگوار تھا۔ اہل قلم کا ہجوم تھا، دوستوں کی آنکھیں اشکبار تھیں اور عزیزوں کو ایک دوست اور محبت کرنے والے شخص کا صدمہ نڈھال کئے دے رہا تھا۔ وہ ایک سینئر بیوروکریٹ کی حیثیت میں ریٹائر ہوا تھا کہ جہاں جہاں سے گزرا ماحول کو مہکا گیا۔ میں بھی کراچی ہی میں تعینات اور وہ بھی اس شہر میں کلکٹر کسٹم۔ ۱۹۷۴ء میں کسٹم پریونٹیو کلب کے زیر اہتمام ایسا مشاعرہ کرایا کہ اس کی نظیر آج تک نہیں ملتی۔ پاکستان کا کونسا بڑا شاعر ایسا تھا جو اس مشاعرے میں شریک نہ تھا۔

(مطبوعہ سہ ماہی الاقرباء، جنوری تا مارچ ۲۰۰۱ء)

سید مشتاق علی مضطرؔ گلاؤٹھوی

سید منصور عاقل

آپ سید اشفاق علی کے فرزند تھے اور ایک شاعر کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے تھے، خوب صورت قد و قامت کے مالک تھے اور اپنے اخلاق و اخلاص کے سبب اہل قصبہ میں تکریم کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ معاش کا ذریعہ محکمۂ مال کی ملازمت تھی چنانچہ ریٹارمنٹ کے بعد گلاؤٹھی ہی میں مستقل قیام کیا۔آپ کو شاعری میں امیرؔ مینائی سے شرف تلمذ حاصل تھا اور شعر گوئی پر مکمل عبور حاصل تھا، دور دراز تک مشاعروں میں مدعو کیے جاتے تھے اور کلام میں سلاست و روانی اور برجستگی کے اوصاف کے باعث خوب داد حاصل کرتے تھے۔ طبیعت میں یک گونہ شوخی بھی تھی جس کا اظہار اشعار میں نہایت خوب صورتی سے کرتے۔ فلسفیانہ مضامین نظم کرنے میں آپ کو خاص مہارت حاصل تھی، آپ کا ایک شعر اتنا مشہور ہوا کہ زبانِ زدِ خاص و عام ہو گیا:

سحر ہے یا الٰہی یا یہ کوئی مسکراتا ہے		الٰہی شام ہے یا کوئی مجھ سے منہ چھپاتا ہے
بشر بھی آ کے دنیا میں عجب شانیں دکھاتا ہے		کھلونا بن کے آتا ہے تماشا بن کے جاتا ہے

مضطرؔ گلاؤٹھوی کی طبیعت میں جو شوخی تھی اس کا اظہار بھی ان کے مندرجہ ذیل شعر سے ہوتا ہے:

کیا بتاؤں کہ تمہیں آج کہاں دیکھا ہے		ابھی کہہ دوں تو اسی بات پہ جھگڑا ہو جائے

آپ کے حضرت فداؔ گلاؤٹھوی سے خصوصی مراسم تھے، چنانچہ آپ کی بڑی بیٹی شبیہ فاطمہ کی شادی فداؔ صاحب کے بیٹے سید عزیز حسن سے ہوئی، چھوٹی بیٹی صابرہ خاتون الدن میں الحاج سید ممتا علی کے صاحبزادے سید احمد سے بیاہی گئیں، سنا ہے کہ مرحوم کا غیر مطبوعہ کلام چھوٹی بیٹی کے پاس ہے جو تا حال شائع نہیں ہو سکا۔ مضطر گلاؤٹھوی کی شاعری ورثہ میں ان کے نواسے سید سجاد احمد تک پہنچی جو ایک میڈیکل ڈاکٹر ہونے کے باوجود ایک نہایت خوش فکر اور ہونہار شاعر ہیں، ان کا ایک شعری مجموعہ دہلی سے شائع ہو چکا ہے، ہو سکتا ہے کہ سجاد کو شاعری ورثہ میں نانا کے علاوہ اپنے چچا سید مظفر ضیاء سے بھی ملی جو ایک صاحبِ دیوان شاعر ہیں۔

آپ کی ایک معرکۃ الآرا نظم ہے جو ۳۹ء-۱۹۳۸ء میں جمعیۃ علمائے ہند کے اجلاس کے موقع پر کہی گئی۔ قارئین کے لیے پیش ہے جس سے مضطرؔ صاحب کی شاعری اور ان کی دینی فکر کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

آپ کی ایک معرکۃ الآرا نظم جو جمعیۃ علمائے ہند کے اکابرین کی شان میں کہی گئی، پیش خدمت ہے۔

نذرِ عقیدت بحضور علماء حق

مبارک عندلیب زار وقت خوش نوائی ہے		چمن میں آج دہلی کے بہارِ خلد آئی ہے
نئی رنگینیاں شادابیاں رعنائیاں لے کر		نئے سرے سے چمن میں پھر تازہ بہار آئی ہے
مہکتا ہے ریاضِ دہر جن پھولوں کی نکہت سے		بہار اُن خاص پھولوں کو اب اس گلشن میں لائی ہے
خزان نے اپنی کرنی میں کسر رکھی نہ تھی لیکن		شگفتہ ہیں خزاں دیدہ، یہ شانِ کبریائی ہے
چمن بندی ہے ان سے گلشنِ دین محمد ﷺ کی		انہی کی رنگ آرائی، انہی کی خوشنمائی ہے
انہی پھولوں میں دریا موجزن ہے حسن پنہاں کا		خدائی کے سفینے کو انہی کی ناخدائی ہے
خدائی میں خدا والوں کی صف میں مقتدا یہ ہیں		سیہ خانہ میں دنیا کے انہی کی روشنائی ہے
شریعت میں طریقت میں جماعت میں سیاست میں		حقیقت میں انہی کی رہنمائی رہنمائی ہے
یہ عالم دیکھیے ہر پھول کی رنگیں اداؤں میں		جلال کبریائی ہے جمالِ مصطفائی ﷺ ہے
کسی میں شانِ صدیقی کسی میں شانِ فاروقی		غنی کے بھیس میں کوئی بہ شکل مرتضائی ہے
انہی پھولوں کے سر سہرا ہے شادابی کا امت کی		عروسِ ملت بیضا انہی کی تو سجائی ہے
یہی وہ گل ہیں جو بادِ مخالف سے نہ مرجھائیں		خدا کے آسرے پر جن کی یہ رنگیں نوائی ہے
یہی تو مخزنِ اسرارِ توحید و رسالت ہیں		خدا کے علم کی دولت انہی کے ہاتھ آئی ہے
نہ یہ نیلی عباؤں میں نہ یہ کالی قباؤں میں		یہ ہیں سادہ اداؤں میں، جو شانِ مصطفائی ہے
ادب اک شیوۂ محمود ہے ان خوش جمالوں کا		ادب ان کا نہ کرنا ایک بڑی ہی بے حیائی ہے
نوا سنجانِ گلشن، نعرۂ تکبیر کے نغمے		کہ اچھا وقت ہے سر پر گھٹا رحمت کی چھائی ہے
دعا مانگو کہ اس ابر کرم سے ایسی دب جائے		نہ اٹھے حشر تک اب جو خزاں نے خاک اڑائی ہے
خزاں کے تند جھونکے خاک اڑا کر کیا بگاڑیں گے		کھلائیں گل کھلائیں، اب تو پھولوں کی بن آئی ہے
یہ ان میں سے نہیں گل بازیاں ہیں جن کی گل چیں تک		یہ وہ ہیں جن کی دربار الٰہی تک رسائی ہے
فلک نے خوب دیکھا ہے، زمیں نے خوب برتا ہے		حق و باطل میں فتح حق ہمیشہ ہوتی آئی ہے
یہی دن ہیں کہ خاصانِ خدا پر ظلم ٹوٹے ہیں		شہادت آج جن کی داستانِ کربلائی ہے

کہاں ہیں؟ کوئی ان کا نام لیوا دوست بھائی ہے		وہ ظالم، اور خاصانِ خدا کو چھوڑنے والے
پرستارانِ حق نے جیل کاٹی مار کھائی ہے		ابھی تک آپ نے دیکھے نہیں گل چیں مظالم کے
ڈٹے ہیں اپنے مرکز پر تماشائی خدائی ہے		مگر اللہ والے کیسے کوہِ استقامت ہیں
فلک نے رنگ بدلے ہیں زمیں نے خاک اڑائی ہے		ہمیشہ سے یہی ہوتا چلا آیا ہے دنیا میں
تمہاری سادہ لوحی ہے تمہاری بے وفائی ہے		اب ان سے بھاگنا منہ موڑنا ان کو برا کہنا
نفاق باہمی یہ شورشیں اک جگ ہنسائی ہے		جہاں ہو تم وہیں اخلاص باہم کی ضرورت ہے
تمسخر سے انھیں چھیڑا تو سمجھو شامت آئی ہے		تجاہل سے انھیں چھوڑا تو دیں داری سے منہ موڑا
جو ان پھولوں میں بس جاؤ تو کانٹوں کی صفائی ہے		قدم لو ان کے آنکھوں سے لگاؤ اے چمن والو
سدا یوں ہی بہار آیا کرے جس طرح آئی ہے		خدا قائم رکھے گلشن میں ان پھولوں کی جمعیت

علامہ سید رحیم اللہ قابل گلاؤ ٹھوی

سید منصور عاقل

کسی بھی خطہٗ زمین کو عزت و سرفرازی از خود حاصل نہیں ہو جاتی بلکہ یہ ان شخصیتوں کا فیضان ہوتا ہے جو اس سرزمین سے نسبی اور معاشرتی تعلق رکھتی ہیں اور جو اپنے افکار واعمال اور اوصاف حمیدہ کے باعث اسے عظمت واحترام اور شہرت دوام عطا کرتی ہیں ،چنانچہ اس اعتبار سے گلاؤ ٹھی کو معاشرتی اور جغرافیائی تحدید یہ اختصار کے باوصف آغوش گنگ و جمن میں پروان چڑھنے والی تاریخی عظمتوں کی امین ایک بستی قرار دیا جاسکتا ہے۔ جس کے فرزندان اولوالعزم نے مختلف شعبہ ہائے زندگی میں علم و حکمت، ذہانت و بصیرت اور عزم وہمت کے انمٹ نقوش ثبت کیے،ایسی ہی ہستیوں میں علامہ سید قابل گلاؤ ٹھوی بھی تھے جنھیں ان کی زندگی ہی میں اہل بصیرت نے ذہانت ودانائی اور علم و حکمت ہی کے شعبوں میں نہیں بلکہ ادب و شعر اور صحافت و سیاست کے میدان میں بھی سند اعتراف سے نوازا۔

قابلؔ صاحب نے ۱۹۲۸ء میں صحافت کی دنیا میں قدم رکھا تو دیکھتے ہی دیکھتے ہر منزل معلوم کو گردِ سفر بناتے چلے گئے یہاں تک کے بیسویں صدی کی تیسری اور چوتھی دہائی میں اردو اور انگریزی جرنلزم ہی نہیں بلکہ ادبی صحافت اور سیاست نگاری کو پوری طرح اپنی گرفت میں لے لیا اور دہلی کو جو ادب وسیاست اور تہذیب وثقافت کا منبع و مرکز تھا اپنی سرگرمیوں کا محور بنالیا۔

وہ اس مدت میں دو درجن سے زائد انگریزی و اردو زبان کے معروف مقتدر اخبارات ورسائل کے یا تو چیف ایڈیٹر یا ایڈیٹر رہے یا سب ایڈیٹر اور نامہ نگار رہے اور اپنے رشحات قلم سے ثابت کردیا کہ تاریخ یا ادب ہو یا مذہب ان کی دسترس سے باہر نہیں۔ان اخبارات اور رسائل کے اگر نام گنوائے جائیں تو ان میں سرفہرست دہلی اور کلکتہ سے شائع ہونے والا انگریزی روزنامہ اسٹیٹسمین (Statesman) ہے جس کے ۱۹۳۵ء سے ۱۹۴۰ء تک نامہ نگار رہے۔ ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۰ء کے دوران بی بی سی لندن کی نمائندگی بھی کی۔اس کے علاوہ اردو اخبارات وحدت وطن، الامان، جنگ اور قومی گزٹ کے ایڈیٹر یا چیف ایڈیٹر رہے اور ایک اعزاز جو قابل صاحب کے حصہ میں آیا وہ کیبنٹ مشن کے ارکان سر اسٹیفرڈ کرپس مسٹر پیتھک لارنس اور مسٹر وی اے الگزینڈر کا وہ سیاسی انٹرویو تھا جو تنہا ان کی ذات سے منسوب ہوا اور بے صغیر ہی نہیں بلکہ عالمی میڈیا کی زینت بنا۔ جن لوگوں نے قابل صاحب کی صحافت کا یہ دور

دیکھاہے وہ اردو اور فارسی کے علاوہ انگریزی زبان پر بھی ان کی مضبوط گرفت کے معترف بھی ہیں اور شاہد بھی کہ وہ ان تینوں زبانوں کے انشاء پرداز ہی نہیں بلکہ چونکا دینے والے خطیب بھی تھے۔۱۹۲۸ء سے ۱۹۴۶ء تک برصغیر کے جن رسائل و جرائد انگریزی وار دو میں ان کی نگارشات زینت بنیں۔ان میں سنڈے ٹائمز مدراس، بومبے کرانیکل بمبئی اور رینٹ کلکتہ کے علاوہ خلافت بمبئی، پیام حیدر آباد (دکن) عصر جدید کلکتہ، آزاد کلکتہ، عالمگیر لاہور، قوس وقزح لاہور، ادبی دنیٰ لاہور، شاعر آگرہ، ایشیا میرٹھ، نگار بھوپال اور کپور تھلہ گزٹ شامل ہیں۔

سیاسی تحریکوں سے قابل صاحب کی دلچسپی اور امت مسلمہ سے والہانہ عشق زندگی کے آخری لمحات تک قائم رہا اور قوم کے زوال و عروج کے حقائق پر تمام عمر نہایت دردمندی سے نہ صرف غور و فکر کرتے رہے بلکہ مشاہیر و علماء سے جن میں حضرت قائد اعظم بھی شامل تھے اپنی ملاقاتوں میں مختلف تدابیر اور اسباب و علل پر گفتگو کرتے رہے اور آخر کار یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ

قابل ہے میرے قوم کی تاریخ مختصر
ساغر ملا تو ہاتھ سے تلوار گر گئی

سیاحت کے شوق نے قابل صاحب کو تمام عمر محو سفر رکھا۔ برصغیر کے چپے چپے سے آگاہی ان کی سفر دوستی ہی کا صلہ تھی بلکہ اکثر و بیشتر مسلم ممالک کا بھی سفر کیا اور سقوط ڈھاکہ کا جاں گسل لمحۂ تاریخ جب زہر آلود تیر بن کر پاکستان کے دل میں پیوست ہو گیا تو اس وقت قابل صاحب مشرقی پاکستان ہی میں تھے اور ان کی آنکھوں نے اسلامی تاریخ میں پہلی بار نوے ہزار فوج کو ہتھیار ڈالتے ہوئے اور مشرقی پاکستان کو بھارت کی آغوش منافقت میں بنگلہ دیش کی صورت میں منتقل ہوتے دیکھا۔انہوں نے اپنا قلمی جہاد وہاں بھی جاری رکھا اور دو سال قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنے کے بعد بچے کھچے پاکستان میں واپس آئے اور یہ صدمہ بھی ساتھ لائے کہ بنگلہ دیش کی پولیس اور بھارت نواز انتظامیہ نے انہیں ان کے ستر مسودات نظم و نثر سے محروم کر دیا تھا،

لٹ گئے ستر دواوین ادب بنگال میں
جو ہر قابل فقط ہے کچھ نہیں قابلؔ کے پاس

اللہ تعالی نے قابلؔ صاحب کے قلم میں بلا کی روانی عطا کی تھی اور ابلاغ و اظہار پر ایسی قدرت کہ نا قابل یقین، ڈان اخبار کو اردو میں اس روانی سے پڑھتے کہ دیکھنے اور سننے والے دونوں زبانوں پر ان کی دسترس کے قائل ہو جاتے۔ یہی عالم شعر گوئی کا تھا کہ کم و بیش سو اشعار روز کہہ لینا ان کا معمول تھا بلکہ ان کی بدیہہ گوئی کا ایک واقعہ تقسیم ملک سے قبل کپور تھلہ میں ایک کل ہند مشاعرہ

کے ضمن میں احسان دانشؔ مرحوم نے اپنی سوانح "جہان دانش" میں رقم کیا ہے اور دوسرے شعراء پر ہی نہیں بلکہ خود پر بھی قابلؔ صاحب کی برتری کو تسلیم کیا ہے۔ان کی ذہانت ان کی شاعری میں نکتہ آفرینی کے حسن کو نہایت واضح کر دیتی ہے۔فرماتے ہیں:

بہ اقلیم سخن تنہا ہوں قابلؔ
سخن ور ہم زباں کوئی نہیں ہے
مرے ہم پایہ ہیں کچھ لوگ لیکن
مرا ہمسر یہاں کوئی نہیں ہے

لیکن وقت کی سرد مہری اور زمانہ کی غلط بخشی کے ہاتھوں آزردہ ہو کر آخری عمر میں یہ بھی کہنے پر مجبور ہو گئے کہ:

مٹی میں ملایا مجھے ناقدریٔ فن نے
شرمندہ ہوں قابلؔ میں بہت اپنے ہنر سے

کسے خبر تھی کہ ۱۹۰۶ء میں گلاؤ ٹھی میں قاضی سید حبیب اللہ کے گھر پیدا ہونے والا بچہ مقامی پرائمری اور مڈل اسکول کا طالب علم اور منبع العلوم گلاؤ ٹھی سے فیض یافتہ نوجوان جسے اہل خاندان نے سید رحیم اللہ کا نام دیا قابلؔ بن کر برصغیر میں اپنی ذہانت وذکاوت اور مطالعہ ومحنت سے صحافت وادب اور اردو شاعری میں ہلچل مچادے گا اور بحیثیت شاعر اپنے استاذ حضرت فدا گلاؤ ٹھوی کے کمال سخن کی نہ صرف لاج رکھے گا بلکہ گلاؤ ٹھوی کے لاحقہ کو اپنے نام کا مستقل حصہ بنا کر اپنے مولد ومسکن کا نام بھی روشن کرے گا۔ یہ چراغ جس نے ربع صدی سے زیادہ شعر وادب اور صحافت کے ماحول کو منور کیے رکھا ہے، ۱۹۴۷ء کے انقلاب کے بعد سے ٹمٹمانے لگا تاہم روشنی کی اس نحیف لو میں تمام سرمایہ فکر وفن لٹ جانے کے باوجود گرمی باقی رہی جس نے پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد کے جوار میں واقع واہ کینٹ میں جولائی ۱۹۸۲ء تک اپنے آخری سانسوں کی حرارت کو بھی باقی رکھا اور دین کے نام پر قائم ہونے والی مملکت کی محبت کو دل کی گہرائیوں میں سمو کر ماضی کے تمام رشتوں کو خیر باد کہہ دیا۔۵/جولائی ۱۹۸۲ء کے سورج کے ساتھ خود بھی غروب ہو گیا۔اناللہ وانا الیہ راجعون

اب منزل وصال دل و جاں ہے ارض پاک
قابلؔ کے دل میں اب غمِ ہندوستان نہیں

منصور عاقل کی زندگی کی چند یادیں

سید منصور عاقل

ادب، صحافت کا آفتاب، ماہتاب

نسیم الدین ہاشمی

۲۹ جون کو قصبہ گلاوٹھی ضلع بلند شہر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مفید عام اسکول گلاوٹھی اور مسلم انٹر کالج بلند شہر میں حاصل کی۔ جنوری ۱۹۴۸ء میں پاکستان آگئے اور لاہور میں دیال سنگھ کالج سے ۱۹۵۳ء میں بی اے کیا۔ ایم اے (پولیٹکل سائنس)پنجاب یونیورسٹی سے کیا اور یونیورسٹی میں اول پوزیشن حاصل کی۔ ۱۹۵۷ء میں ہسٹری (تاریخ) میں پنجاب یونی ورسٹی سے دوسری مایہ ناز ڈگری حاصل کی۔

آپ قاضی سید حبیب اللہ مرحوم کے فرزند ہیں جن کا شمار قصبہ کی مقتدر شخصیات میں ہوتا تھا، طبیہ کالج سے سند یافتہ طبیب حافظ قرآن اور قاری تھے۔ اجداد کو شاہان دہلی سے باون علاقے بطور جاگیر عطا ہوئے تھے۔ یہ علاقے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں کی مزاحمت کی پاداش میں ضبط کر لیے گئے تھے، انگریزی، اردو اور فارسی زبانوں سے خاص شغف تھا۔ آپ کے ذاتی اثاثوں میں ایک بہت بڑا کتب خانہ بھی شامل تھا۔ منصور عاقل صاحب کے نانا محرم سید فدا گلاوٹھی اپنے وقت کے ایک عظیم شاعر اور فصیح الملک حضرت داغ دہلوی کے شاگرد خاص تھے۔

پنجاب کے گورنمنٹ ڈگری کالجز میں دو سال تک سیاسیات کے لیکچرر رہے۔ نومبر ۱۹۵۸ء میں مغربی پاکستان انفارمیشن سروس خیرپور (سندھ) سے ملازمت کا آغاز کیا اور مئی ۱۹۷۳ء تک ملک کے مختلف مقامات پر انفارمیشن کے ضلعی، ڈویژنل اور ریجنل سربراہ کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ ۱۹۷۳ء سے ۱۹۹۴ء میں ریٹائرمنٹ تک وفاقی حکومت سے وابستہ رہے اور دیگر مختلف مناصب کے علاوہ پنجاب اربن ٹرانسپورٹ کارپوریشن کے مینجنگ ڈائریکٹر، ڈائریکٹر جنرل وفاقی محتسب سیکریٹریٹ اور وزارت خزانہ میں ڈائریکٹر جنرل نیشنل سیونگز پاکستان کے عہدوں پر فائز رہے۔ پاکستان میں چیف احتساب کمشنر کا ادارہ قائم ہونے کے بعد حکومت پاکستان نے اس ادارہ کے لیے ۱۹۹۷ء میں آپ کی خدمات دوبارہ مستعار لیں۔

لاہور کے دوران قیام طالب علمی کے دور میں ملک کے مختلف اخبارات ورسائل میں کثرت سے لکھا۔ دوران ملازمت لائل پور اخبار کے چیف ایڈیٹر، سہ ماہی "اُفق" بہاولپور کے ایڈیٹر اور حکومت پنجاب کے ماہانہ "اردو نامہ" کے بانی مدیر اعلیٰ رہے۔

بیشتر بیرونی ممالک میں سفر کیا، حج بیت اللہ کی سعادت سے مشرف ہوئے اور بین الاقوامی کانفرنسوں میں پاکستان کی نمائندگی کی۔ تاریخ وادب کے موضوعات پر دو درجن سے زائد کتب کے مصنف و مؤلف ہیں جن میں آپ کا شعری مجموعہ "گہوارۂ سخن" بھی شامل ہے۔

اندرون ملک و بیرون ملک اداروں اور کانفرنسوں میں شرکت کی جن میں اردو اکیڈمی بہاولپور، رکن تحقیق و مطالعات تاریخی بورڈ پشاور، رکن ہمدرد تھنک ٹینک پاکستان، مستقل رکن سرسید میموریل سوسائٹی اسلام آباد کے علاوہ پاکستانی مندوب کی حیثیت سے سیونگز کے موضوع پر بین الاقوامی کانفرنس منعقدہ بمقام ٹریئر مغربی جرمنی میں شرکت، نائب صدر مغربی پاکستان انفارمیشن سروس ایسوسی ایشن، عالمی بنک کے زیر اہتمام سیونگز بنکاری کے موضوع پر سینیر پالیسی سیمینار بمقام اسٹاک ہوم (سویڈن) میں بحیثیت پاکستانی مندوب شرکت کی۔ آپ نے جرمنی، سوئٹزرلینڈ، ہالینڈ، انگلینڈ، سویڈن اور سعودی عرب کے علاوہ جنوبی ایشیا کے ممالک بھارت اور بنگلہ دیش کے دورے کیے۔

آپ کو ملنے والے کچھ ایوارڈ اور اعزازات میں خاص طور پر ہدیہ سپاس و سند اعتراف منجانب انجمن ترقی اردو لاہور، طویل خدمات ایوارڈ عطا کردہ گورنر پنجاب محمد حسین یقین ایوارڈ (منجانب انجمن اخوان السادات کراچی) علی گڑھ اولڈ بوائز ایسوسی ایشن راولپنڈی شیلڈ برائے علمی وادبی خدمات، علمی و ادبی خدمات، نیشنل سیونگز ایوارڈ منجانب سنٹرل ڈائریکٹوریٹ آف نیشنل سیونگز حکومت پاکستان، سند اعتراف خدمات بین الاقوامی اقبال کانفرنس علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد شامل ہیں۔

آپ کی تصانیف انگریزی اور اردو زبان میں دستیاب ہیں جن میں خاص طور پر حرف بہ حرف (تنقیدی و تحقیقی مضامین)، برگ سبز (ادبی تحقیق)، گہوارۂ سخن (شعری مجموعہ)، حرف محرمانہ (شخصیت فکر و فن)، گلاؤٹھی (تاریخ)، دبستان قابل (سوانح، انتخاب کلام)، مبارک نامہ (راولپنڈی ڈویژن کے فارسی گو شعراء کا انتخاب)، خامہ خونچکاں (راولپنڈی کے شعراء کا رزمیہ کلام)، شہاب دہلوی (فن اور شخصیت)، پاکستان میں زرعی اصلاحات (تحقیقی مقالہ)، مغربی جرمنی میں سیونگز بنک کا نظام، پاکستان میں تحفظ کتب و دستاویزات کا نظام، صحافت اور ادب کی تکنیکی موازنہ، پاکستان میں آئینی ارتقاء، اسلامی ریاست کے بنیادی عناصر، برصغیر میں مغل عہد کے دوران ثقافتی ترقی، حرف معتبر (ادبی اداریہ نویسی)، متاع فکر و نظر (ادبی و تحقیقی تنقید) قابل ذکر ہیں۔ علاوہ ازیں اسلامیہ یونیورسٹی آف بھاولپور کی جانب سے "سید منصور عاقل کی ادبی خدمات" کے موضوع پر طالبہ تحسین فاطمہ کے تحقیقی مقالہ پر ایم فل کی ڈگری عطا کی گئی۔

آپ نے میدانِ صحافت وادارت میں بھی کافی خدمات انجام دی ہیں جن میں نیوز ایڈیٹر روزنامہ زمیندار لاہور، نیوز ایڈیٹر روزنامہ عمر لاہور، چیف ایڈیٹر ہفت روزہ لائل پور، اخبار لائل پور، ایڈیٹر سہ ماہی اُفق بہاولپور، بانی ایڈیٹر سہ ماہی "اردو نامہ" لاہور، صدر نشیں مجلس ادارت سہ ماہی "الاقرباء" اسلام آباد عالمی معیار کا تحقیقی و تخلیقی مجلّہ۔ آپ کی علمی و تحقیقی کاوشوں کا ذکر ان صفحات میں ممکن نہیں لیکن اتنی بات کہی جاسکتی ہے کہ منصور عاقل صاحب کی شخصیت مختلف الجہات اور ہشت پہلو ہیرے کی سی ہے جس کے ہر پہلو سے ایک کی روشنی اور نئی جنہیں واہوتی ہیں۔

چنانچہ اگر یہ کہا جائے تو بے جانہ ہوگا کہ اس کتاب کے مسودے پر کام یوں تو میری جانب سے کافی مدت سے چل رہا تھا لیکن جناب منصور عاقل کی کتاب "گلاؤ ٹھی" جب منظر عام پر آئی تو ایک نئی تحریک پیدا ہوئی اور آپ کی یہ تصنیف اس کتاب کا محرک ثابت ہوئی ۔اللہ تعالی سے دعا گو ہوں کہ آپ صحت و سلامتی کے ساتھ رہیں اور ہمیں اور اس ملت کو زیادہ سے زیادہ آپ سے فیض حاصل ہو ۔آپ کی عمر مس اللہ برکت عطا فرمائے۔ آپ اس وقت اسلام آباد میں مقیم ہیں اور باوجود ضعف العمری کے لکھنا پڑھنا جاری و ساری ہے اور باقاعدہ آپ سہ ماہی "الاقرباء" کے شماروں پر کام کر رہے ہیں نیز علمی محافل اور مشاغل جاری ہیں۔

سید منصور عاقل

افتخار عارف(ستارہ امتیاز ہلال امتیاز)

حضرت منصور عاقل کا نام جہانِ اردو میں محتاجِ تعارف نہیں۔ ممتاز شاعر، نامور محقق، صاحبِ نظر نقّاد اور معتبر مدیر کی حیثیت سے ان کا علمی سفر گزشتہ پچاس برسوں سے زیادہ عرصے کو محیط ہے۔انہوں نے اردو کے ہمہ جہت قلم کار کی حیثیت سے نمایاں زندگی گزاری ہے۔ وہ غیر منقسم برصغیر کے نامور علمی گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں جس کا ایک ایک فرد اپنے علمی قدو قامت کے اعتبار سے امتیازی حیثیت کا مالک رہا ہے۔ان کے نانا ہے سید فدا گلاؤ ٹھوی حضرت داغ دہلوی کے حلقہ تلامذہ میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ والدہ ماجدہ سیدہ تلمیذ فاطمہ نے اس روایت کو آگے بڑھایا اور وہ بھی خانوادے میں ایک خوش فکر شاعرہ کے طور پر عزت و تکریم کی نظر سے دیکھی جاتی تھیں۔ سید منصور عاقل کے برادر بزرگ علامہ سید قابل گلاؤ ٹھوی کا نام ایک نام نامی پاک و ہند میں مشہور و معروف تھا جن کے مجموعۂ شعر "دبستان قابل" کی ترتیب اور اہتمام اشاعت کا اعزاز بھی سید منصور عاقل کو حاصل ہے۔

حضرت منصور عاقل انگریزی، اردو اور فارسی زبانوں پر دسترس کامل رکھتے ہیں۔ پاکستان کی سول سروس میں اعلیٰ عہدوں پر کام کرنے کے بعد عزت وآبرو کے ساتھ سبکدوش ہوئے۔ دوران ملازمت جس جس شعبے میں بھی گئے اور انہوں نے جن جن شہروں میں بھی کام کیا، اپنے کردار اور صلاحیتوں کے سبب رفقائے کار کے دلوں میں بھی گھر کیا اور اہل شہر نے بھی خدمات کے سبب عزت واحترام میں کوئی کسر نے اٹھا رکھی۔ ملک میں اور ملک سے باہر اردو زبان وادب کے ضمن میں ہونے والے متعدد مذاکروں اور کانفرنسوں میں شرکت کی اور اردو کی ترویج وفروغ کے سلسلے میں اَن مٹ نقوش چھوڑے۔ وہ جرمنی، سوئٹزرلینڈ، فرانس، ہالینڈ، سویڈن، سعودی عرب، بھارت اور بنگلہ دیش کے مختلف شہروں میں ہونے والی تقریبات میں شریک ہوئے اور وہاں کے علمی اور ادبی حلقوں سے تبادلۂ خیال کیا اور پاکستان اور اردو کی عزت وو قار میں اضافے کا سبب بنے۔ ان کی ادبی خدمات کے اعتراف میں انہیں ملکی اور بین الاقوامی سطح پر وقتاً فوقتاً اسناد واعزازات سے نوازا جاتا رہا۔ اس ضمن میں انجمن ترقی اردو لاہور کی جانب سے "ہدیہ سپاس وسند اعتراف"، علی گڑھ اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کی جانب سے "نشان اعتراف" بین الاقوامی کانفرنس منعقدہ علامہ اوپن یونی ورسٹی کی جانب سے "سند اعتراف خدمت" اور دیگر اداروں کی جانب سے وقتاً فوقتاً اعزازات قابل ذکر ہیں۔

ان کا ثروت مند ادبی سفر ۱۹۵۹ء سے تا حال کم و بیش پانچ عشروں کو محیط ہے۔ ان کے تحقیقی اور تنقیدی مضامین کا مجموعہ "حرف بہ حرف"، "برگ سبز"، "دبستانِ قابل"، "مبارک نامہ"، "خامہ خونچکاں اپنا" اور "شہاب دہلوی شخصیت اور فن" ان کی وہ تصانیف ہیں جو خالصتاً علمی اور ادبی کتب کے ذیل میں آتی ہیں۔ اپنے طویل علمی اور تخلیقی سفر کے دوران ملک کے ممتاز روز ناموں اور ماہناموں میں سید منصور عاقل کے مضامین شائع ہوتے رہے ہیں۔ ۲۰۰۱ء سے وہ مشہور تحقیقی اور تخلیقی مجلّے سہ ماہی "الاقرباء" کی مجلس ادارت کے صدر کے طور پر کام کر رہے ہیں۔ دینی، تہذیبی، علمی اور ادبی روایت کی ترجمانی کے طور پر "الاقرباء" بہت کم عرصے میں اپنے لیے اعتبار و امتیاز کا مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہوا ہے۔

"گہوارۂ سخن" ان کی نگارشاتِ شعر پر مشتمل ہے۔ غزل کی صدیوں پر پھیلی ہوئی ادبی روایت میں سید منصور عاقل جس عمدگی سے شعر کہتے ہیں، اس نے انھیں پاکستان کے صفِ اوّل کے غزل گو شعرا میں شامل کر دیا ہے۔ نئے مضامین، فن عروض اور صحت زبان پر دسترس، ہنر کے تمام قرینوں سے آگاہی نے انہیں جو مقام و اعتبار بخشا ہے وہ ہمارے زمانے میں بہت کم لوگوں کو نصیب ہوا ہے۔

ہم صبح و شام ہزاروں لوگوں سے ملتے ہیں، اٹھتے بیٹھتے ہیں مگر ان میں کم کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کو صاحب شخصیت افراد کے ذیل میں رکھا جا سکے۔ حضرت منصور عاقل میرے لیے صاحب شخصیت بزرگ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ملاقات اور صورت آشنائی تو بہت پہلے کی ہے مگر گزشتہ بیس برسوں سے ان کے حلقۂ نیاز منداں میں شامل ہوں۔ جب بھی ان سے ملنے کا موقع میسر آتا ہے، کوئی نہ کوئی اچھا شعر، اچھا نکتۂ ادب ضرور لے اٹھتے ہیں۔ تحقیق، تاریخ اور علمی مسائل پر ایسی مستظہر اور دل کو چھونے والی گفتگو کا ہنر کم کم لوگوں کو آتا ہے۔ تبحرِ علمی کے باوجود خُردوں کے ساتھ شفقت سے پیش آتے ہیں۔ عاجزی و انکساری کا وصف ایسا کہ بس دل سے ان کے لیے دعا نکلتی ہے۔ خوش گفتاری اور خوش مزاجی کس کس وصف کی تعریف کی جائے۔ ان کی محفل میں بیٹھ کر اور ان سے مل کر ایک فرحت اور طمانیت کا احساس ہوتا ہے۔ میرے نزدیک بڑے آدمی کی ایک پہچان یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ اپنے سے کم علم رکھنے والوں کو بھی اپنے سینے سے لگاتا ہے۔ ان کے اصلاح احوال کے لیے جو سلیقہ اختیار کرتا ہے وہ ایسا نہیں ہوتا کہ جس سے کسی قسم کی نخوت یا تمکنت کا اظہار ہو، بس بات بات میں اصلاح کر دی جاتی ہے۔ میں اسلام آباد میں ہی نہیں پاکستان میں جب اردو کی علمی و ادبی دنیا پر نظر ڈالتا ہوں تو احساس ہوتا ہے کہ حضرت منصور عاقل جیسے لوگوں کی تعداد دن بدن کم ہوتی جا رہی ہے۔

میں سید گرامی مرتبت کی صحت و سلامتی کے لیے دعا گو ہوں۔ پروردگار منصور بھائی کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور ان کی عزت و آبرو میں سرفرازی و سربلندی میں اور طمانیت و سکون میں اضافہ فرمائے۔ (۱۶ فروری ۲۰۱۰ء)

مرحوم منصور عاقل کے بارے میں خاندان کے افراد اور اہل علم کے تاثرات

سید محسن کمال:

محترم چچا منصور عاقل کے انتقال کا سن کر دلی رنج ہوا۔ان کی زندگی دوسروں کے لیے رحم دلی اور ہمدردی کا جذبہ رکھنے والے انسان کا ایک بہترین نمونہ تھی،ان کی حمایت، حکمت، اور بے لوث سخاوت سے نہ صرف بے شمار لوگ مستفید ہوئے بلکہ انھوں نے ان کی زندگیوں کو بہتر بنانے میں ایک اہم کردار ادا کیا۔ایک باصلاحیت شاعر اور مصنف کے طور پر، ان کے الفاظ نے بہت سے لوگوں کے ذہنوں کو تقویت بخشی، وہ ایک سرپرست، ایک دوست اور ہر اس شخص کے لیے رہنمائی کرنے والی قوت تھے جنہیں انہیں جاننے کا شرف حاصل ہوا۔ان کی یاد ایک لمبے عرصے تک ہمارے دلوں میں گھر کیے رکھے گی،اللہ تعالی سے دعا ہے وہ لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے اور محبت اور روشنی کی جو میراث وہ چھوڑ گئے ہیں اسے آگے بڑھانے کا حوصلہ وہمت دے۔

پروفیسر شاہد کمال:

محترم منصور عاقل صاحب کی رحلت ایک پوری عہد کی اس دار فانی سے ہجرت ہے۔ یہ وہ خلا ہے جو کبھی پُر نہیں ہو سکے گا۔آپ ایک صاحبِ علم اور صاحبِ قلم شخصیت تھے۔ادب، سماج، سیاست، مذہب پر آپ کی نگاہ بہت گہری تھی۔ گلاؤ ٹھی کے تعلق سے آپ کی علمی و تحقیقی خدمات کے نتیجے میں قرطاس ادب پر ورود پذیر ہونی والی تحریریں ایسی تاریخی دستاویز ہیں جو اس خطے اور وہاں کے رہنے سہنے والوں کی تاریخ و تہذیب سے مزین ہیں۔آپ کی فکر و خیال کی ڈور گلاؤ ٹھی کے تابناک ماضی کے کھونٹوں سے بندھی رہی۔اس لیے جب بھی اس خطہ مردم خیز کے نابغہؑ روزگار لوگوں کا تذکرہ ہوتا ہے تو عہد حاضر کی شخصیات میں سر فہرست نام جناب منصور عاقل ہی ٹھہرتا ہے۔ علمی، تحقیقی اور ادبی خدمات کے علاوہ پیشہ ورانہ مہارت بھی آپ کا اختصاص رہی جس کے سبب آپ آخری وقت تک سرکاری حلقوں میں قدر کی نگارہ سے دیکھے گئے۔ غرض یہ کہ منصور عاقل صاحب ایک ایسی روشنی تھے جس نے اپنے اطراف کو منور کر رکھا تھا۔ان کا جانا تو رسم دنیا ہے لیکن ان کا کام وہ امتیازی وصف ہے جس کی نہ صرف تمنا کی جاسکتی ہے بلکہ مدتوں رشک کا باعث قرار پائے گا۔

سید وسیم ہاشمی:

"حق مغرت کرے"

منصور عاقل ایک عہد ساز شخصیت کا نام ہے۔ وہ اہل ہجرت کی وضع دارانہ روایت کے شاید آخری آدمی تھے۔ اپنے اختیار کے باوصف لوگوں کے کام آنا ان دلجوئی کرنا، ان کی فطرت ثانیہ تھے۔ اہل گلاؤ ٹھی صرف انھیں ان کے منصب یا علمیت سے نہیں بلکہ ان کی محبت، شفقت اور نجابت سے یاد رکھیں گے۔ یوں تو کسی بھی شخص کے علمی کارنامے یا سماجی حیثیت اسے منوانے کا بنیادی ذریعہ ہوتی ہے لیکن کچھ لوگون کو قدرت وہ اوصاف عطا کرتی ہے کہ اس کا عمل ہی اس کی شناخت بن جاتا ہے۔ منصور عاقل صاحب کے بے شمار علمی کارناموں میں ان کی کتاب "گلاؤ ٹھی" اور رسالہ "الاقرباء" وہ روشن مثالیں ہیں جس کے ذریعے انھوں نے اپنی مادرِ وطن کا قرض چکانے کی کوشش کی ہے۔ اس کے علاوہ ادارہ اخوان السادات سے ان کی دلی وابستگی انھیں اپنوں سے اپنائیت کی جاوداں مثال بناتی ہے۔ اخوان السادات میں بہت سے گھرانے ایسے جن کے نوجوانوں کے مستقبل کی تعمیر میں جناب منصور عاقل نے مقدور بر کردار ادا کیا۔ یوں تو اس دنیا میں سب ہی اپنا اپنا کام کر کے رخصت ہوتے ہیں لیکن کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جنھیں قدرت دوسرے کے کام آنے کو وصف عطا کرتی ہے۔ منصور عاقل صاحب بھی ایسے ہی ایک بندۂ خدا تھے جنھیں مرحوم کہنے کو جی نہیں چاہتا۔

منصور عاقل

برگِ سبز
مرتبہ
سید منصور عاقل

منصور عاقل

حرفِ معتبر
سید منصور عاقل

سید منصور عاقل کی ادبی خدمات
مقالہ برائے ایم فل (اردو)
مقالہ نگار
تحسین فاطمہ
نگرانِ مقالہ
ڈاکٹر نجیب جمال
دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور

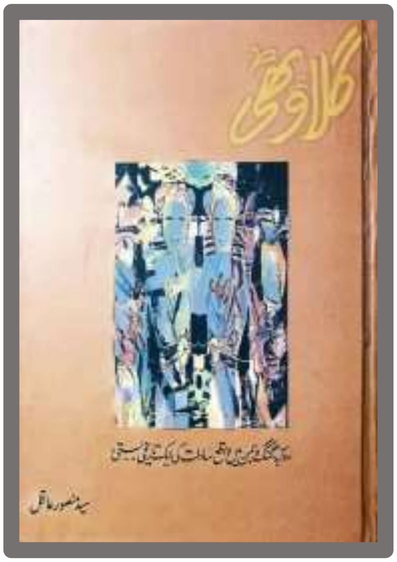
سید منصور عاقل

حرف به حرف
منصور عاقل

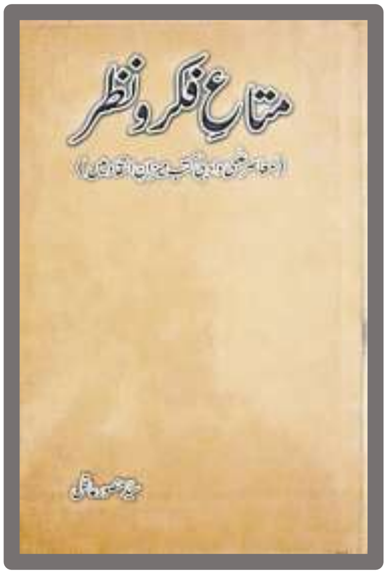
متاعِ فکر و نظر

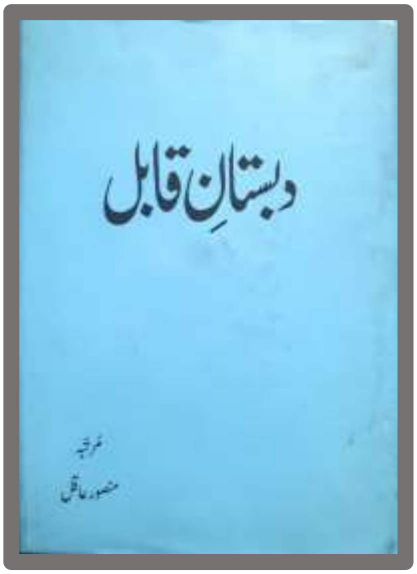
دبستانِ قابل
مرتبہ
منصور عاقل